بسم اللہ الرحمن الرحیم

ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

زبور کا ایک حیران کن انکشاف

من تصنیف

محمد اسلم رانا بی اے (آنرز) (درجہ اول)
وی او پی گریجویٹ

اسلامی مشن سنت نگر لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم



زبور

یہودیوں اور پروٹسٹنٹ مسیحیوں کی کتب مقدسہ میں زبور انیسویں اور رومن کیتھولک مسیحیوں کی بائبل میں اکیسویں نمبر پر ہے۔ یہودی مؤرخ لیفس کی رائے میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ستّر برس کی عمر میں ۱۰۱۵ قبل مسیح میں وفات پائی۔ زبور عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ ڈاکٹر کیٹو رقم طراز ہیں:-

زبور یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی تاروں والے موسیقی کے آلہ کی آواز ہیں۔ یہودی زبوروں کو مختلف آلات کے ساتھ گاتے تھے۔ اگرچہ زبوروں کا مصنف داؤد بیان کیا جاتا ہے۔ تاہم سب زبور اس نے نہیں لکھے تھے۔ کچھ اس سے قدیم ہیں اور کچھ اس سے بعد کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں بعض موسیٰ، سموئیل اور عزرا سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

(AN ILLUSTRATED HISTORY OF THE BIBLE BY JOHN KITTO D.D, F.S.A EDITED BY ALVAN BOND D.D: 1902 P.AS. COL.1)

اس وقت زبوروں کی کل تعداد ڈیڑھ صد ہے۔ یہودیوں اور مسیحیوں کی تقسیم میں تھوڑا سا فرق ہے تاہم دونوں قومیں ڈیڑھ سو کی تعداد پر متفق ہیں۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق زبور اس کتاب کا نام ہے جو بارگاہِ ایزدی سے حضرت داوٗد علیہ السّلام کو عنایت ہوئی تھی۔

(قرآن سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۵)

علماء اسلام کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس آیت پاک میں زبور کے ذکر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلیہ اور امتِ محمدیہ کے فضل و شرف کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء اور امتِ مسلمہ کے اشرف الامم ہونے پر زبور شریف کے مضامین مشتمل تھے۔

(قرآن عظیم مطبوعہ ہانگ کانگ صفحہ ۳۷۲)

زبور کی اصلیت اور موجودہ شکل کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ تاہم علمی و تحقیقی نقطہ نگاہ سے اس کتاب کا مطالعہ بڑا دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ اس میں مندرج کائی بیانات اور حقائق صریحاً اسلام سے متعلق ہیں۔ اور یہودیت و مسیحیت سے ان کا ذرہ بھر تعلق بھی نہیں ہے۔

آدابِ عبادت

ڈرتے ہوئے خداوند کی عبادت کرو۔

(زبور ۲۔ ورس ۱۱)

"اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارا کرو"

(سورۃ اعراف ترجمہ آیت نمبر ۵۵)

اسلامی عبادات اور زبور

(۱) فجر کی اذان اور نمازیں

اے میری شوکت! بیدار ہو۔ اے بربط اور ستار جاگو میں خود صبح سویرے جاگ اٹھوں گا۔ (زبور ۵۷ : ۸)

صبح کو بلند آواز سے تیری شفقت کا گیت گاؤں گا۔

اے خداوند! تو صبح کو میری آواز سنے گا۔ میں سویرے ہی تجھ سے دعا کر کے انتظار کروں گا۔ (زبور ۵ : ۳)

یہودی وطیرہ نرسنگھے پھونکنا ہے۔ مسیحی گھڑیال بجاتے ہیں جبکہ مسلمان صبح سویرے جاگ اٹھتے اور بلند آواز سے فجر کی اذان دیتے ہیں۔ لوگوں کو جگانے کے لئے خصوصی طور پر الصلوٰۃ خیرٌ من النوم

(نماز نیند سے بہتر ہے) کا جملہ دوبارہ دہرایا جاتا ہے۔ مسلمان سویرے ہی فجر کی نماز ادا کر کے دن بھر کے لئے اللہ کریم کی رحمت کے انتظار میں لگ جاتے ہیں۔

پانچ نمازیں | صبح و شام اور دوپہر کو میں فریاد کروں گا۔ اور کراہتا رہوں گا۔ اور وہ میری آواز سن لے گا

(زبور ۵۵ : ۱۷)

صبح کو فجر کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں دوپہر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں شام میں شمار ہوتی ہیں۔ گویا اس درس میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ جنہیں ادا کر کے مسلمان رحمتِ ایزدی سے ان کی قبولیت کی امید رکھتے ہیں۔

کراہنے سے خصوصی طور پر اشارہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنے کی طرف ہے۔ واضح ہو کہ اسلام میں نماز عبادت کی بہترین صورت ہے۔ اور حق تعالیٰ کے حضور دعا یا فریاد عبادت کا مغز ہے۔

نمازِ تہجد | میں آدھی رات کو تیرا شکر کرنے کو اٹھوں گا

(زبور ۱۱۹ : ۶۲)

آدھی رات کو مسلمانوں کی نمازِ تہجد کا وقت ہوتا ہے۔

(سورۃ مزمل آیت ۲۰)

پابندئ وقت | اسی لئے ہر دیندار تجھ سے ایسے وقت میں دعا کرے، جب تو مل سکتا ہے (۳۲ : ۶)

وقت میں دعا تو صرف اسلام ہی میں ہے ۔ سورۂ نساء آیت ۱۰۳
کے مطابق مومنوں پر نماز مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے ۔

زینتِ سجدہ | پاک آرائش کے ساتھ خداوند کو سجدہ کرو ۔
(۲۹ : ۲)

مسلمانوں کو حکم ربانی ہے "ہر نماز کے وقت زینت اختیار کیا کرو"
(ترجمہ سورۂ اعراف ۳۱)

جبکہ یہودی اور مسیحی پاکی اور ناپاکی کے جھمیلوں سے بالاتر ہو کر عبادت
میں شرکت کرتے ہیں ۔

(ب) روزے

روزے رکھ رکھ کر اپنی جان کو
دکھ دیا (۳۵ : ۱۳)

رمضان کے روزوں کی طرف اشارہ ہے ۔ جبکہ مسلمان اپنی
جانوں کو دکھ دیتے ۔ بھوک پیاس برداشت کرتے اور تزکیہ
نفوس کرتے ہیں ۔

(ج) بیت اللہ کا تصور

خداوند اپنی مقدس ہیکل
میں ہے (۱۱ : ۴)
اور کوہ صیون کو

جس پر تو نے سکونت کی ہے یاد کر (۷۴ : ۲) صیون میں
خداوند مبارک ہو ۔ وہ یروشلیم میں سکونت کرتا ہے ۔ (۱۳۵ : ۲۱)
خداوند کی ستائش کرو جو صیون میں رہتا ہے (۹ : ۱۱)

سورہ بقرۃ آیت ۱۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو "میرا گھر" قرار دیا ہے۔ جب ہم کسی چیز کو کسی خاص آدمی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کا مخصوص آدمی سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً زید کا گھر ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ زید کو اس گھر سے جو خاص نسبت ہے۔ وہ کسی اور کو نہیں۔ چونکہ یہودیوں کی ہیکل اور مکہ کا کعبہ بالخصوص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تعمیر کئے گئے تھے اس کے علاوہ ان کا کوئی اور مصرف نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس خصوصی تعلق کی وجہ سے انہیں بیت اللہ یا اللہ تعالیٰ کا گھر کہا جاتا ہے۔ اس کی وہاں سکونت سے مراد بھی اس خاص نسبت ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خدا سچ مچ وہاں قیام پذیر ہے۔ جو کہ اس کی شان کے قطعاً شایاں نہیں۔

ہیکل سلیمانی تباہ و برباد ہو چکی اب خدا کعبہ میں ہی ہے۔

(د) ہیکل کی طرف سجدہ

میں تیری مقدس ہیکل کی طرف رُخ کر کے سجدہ کروں گا۔

(۱۳۸ : ۲)

میں تیرا رعب مان کر تیری مقدس ہیکل کی طرف رُخ کر کے سجدہ کروں گا۔

(۵ : ۷) اور قوموں کے سب گھرانے تیرے حضور سجدہ کریں گے۔

(۲۲ : ۲۷) یا رب سب قومیں جن کو تو نے بنایا۔ آ کر تیرے حضور سجدہ کریں گی۔ اور تیرے نام کی تمجید کریں گی۔ (۸۶ : ۹)

میں نے خداوند سے ایک درخواست کی ہے۔ میں اسی کا طالب رہوں گا۔ کہ میں عمر بھر خداوند کے گھر میں رہوں۔ تاکہ خداوند کے جمال کو دیکھوں۔ اور اس کی ہیکل میں استفسار کیا کروں (۲۷ : ۵)

روزانہ پابندیٔ وقت کے ساتھ کروڑ ہا مسلمان بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے اور سجدے کرتے ہیں۔ ان کی ہیکل (عبادت گاہ۔ بیت اللہ) بھی بفضلہٖ تعالیٰ قائم و دائم ہے۔ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دنیا کی سب قوموں کو سجدہ کرنے کی توفیق صرف اسلام ہی کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ ہر سال حج کے موقعہ پر اقوام عالم میں سے چیدہ چیدہ اشخاص بیت اللہ میں حاضر ہوتے اور لبیک لبیک پکار کر اللہ تعالیٰ کے نام کی تمجید و تعریف کرتے ہیں۔ عمر بھر خانہ کعبہ میں رہنے اور خداوند کے جمال کو دیکھنے کی طلب صرف مسلمانوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔ بعض بسبب حج اپنی عمریں وہیں گزارنے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بعض حج کرنے گئے وہیں فوت ہو کر دفن ہوتے اور یوں عمر بھر خداوند کے گھر میں رہنے کی آرزو پوری کر لیتے ہیں۔

(۷) طوافِ بیت اللہ

صیّون کے گرد پھرو اور اس کا طواف کرو (۴۸ : ۱۲)

اے خداوند! میں تیرے مذبح کا طواف کروں گا (۲۶ : ۶)

زبور کے اس حکم کی تعمیل اور زبور نویس کی خداوند کے مذبح (ہیکل۔ بیت اللہ)

کا طواف کرنے کی آرزو حج بیت اللہ کے موقع پر پوری ہوتی ہے ۔طواف یہودی طریق نہیں ہے ۔

(س) **حج بیت اللہ** بڑے مجمع میں میری ثنا خوانی کا باعث تو ہی ہے ۔میں اسے ڈرنے والوں کے روبرو اپنی نذریں ادا کروں گا ۔حلیم کھائیں گے اور سیر ہوں گے ۔خداوند کے طالب اس کی ستائش کریں گے ۔تمہارا دل ابد تک زندہ ہے ۔ساری دنیا خداوند کو یاد کرے گی ۔اور اس کی طرف رجوع لائے گی ۔اور قوموں کے سب گھرانے تیرے حضور سجدہ کریں گے"

(زبور ۲۲ : ۲۵ - ۲۷)

حج کے موقع پر دنیا کے کونے کونے سے خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے مسلمان خانہ کعبہ کی طرف رجوع لاتے اور اکٹھے ہو کر بڑے مجمع میں ثنا خوانی اور ستائش کرتے ۔ نذریں اور نماز سجدہ ادا کرتے ہیں ۔ لوگ قربانیوں کا گوشت کھاتے اور سیر ہوتے ہیں ۔

(ش) **قربانیاں** تو نے میرے کان کھول دیئے ہیں ۔سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی

(۴۰ : ۶)

چنانچہ شریعت اسلامیہ میں توراث کی یہ قربانیاں روا نہیں ۔ ان قربانیوں کا حکم نہیں ہے ۔

"کیا میں سانڈوں کا گوشت کھاؤں گا یا بکروں کا خون پیوں گا"؟ (۵۰ : ۱۲)

۔جیسا کہ تورات کی کتاب احبار کے شروع میں تفصیل ہے۔ سوختنی قربانی کا خون مذبح کے گرد اگرد چھڑکا جاتا تھا۔ اور گوشت مذبح کی آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ یہ سوختنی قربانی خداوند کے لئے راحت انگیز خوشبو کی آتشیں قربانی کہلاتی تھی۔ اسلام میں یہ قربانی موقوف ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یاد میں جو عید قرباں کے موقع پر کی جاتی ہے۔ اس سے متعلق وضاحت خداوندی ہے :۔

"نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔" (سورہ حج ترجمہ آیت ۳۷)

(ک) اُمّتِ مُسلِمہ

"مبارک ہے وہ قوم جس کا خدا خداوند ہے۔ اور وہ امت جس کو اس نے اپنی میراث کے لئے برگزیدہ کیا" (زبور ۳۳ : ۱۲)

یہاں امت مسلمہ کو مبارک کہا گیا ہے۔ وہی خدا کی "میراث" قرآن کے لئے برگزیدہ کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ ہیکل سلیمانی کی وجہ سے تورات خدا کی میراث نہیں رہی۔ اب اس پر عمل درآمد ناممکنات سے ہے۔

(۲) قرآن مجید

پیشگوئی

اب وقت آگیا کہ خداوند کام کرے کیونکہ انہوں نے تیری شریعت کو باطل کر دیا ہے (زبور ۱۱۹/۱۲۶)

"اور البتہ اس قرآن کی خبر پہلوں کی کتابوں میں بھی ہے"۔

(سورۃ شعراء ترجمہ آیت ۱۹۶)

اس لئے بھی نزولِ قرآن ضروری تھا۔ کہ تحریف و تخریب، سرکشی و نافرمانی اور ہیکل سلیمانی کی مسماری کی وجہ سے تورات پر عمل در آمد ناممکن ہو چکا تھا۔

آمدِ قرآن

"رب خداوند خدا نے کلام کیا۔ اور مشرق سے مغرب تک دنیا کو بلایا۔ صیون سے جو حسن کا کمال ہے۔ خدا جلوہ گر ہوا ہے"۔ (زبور ۵۰: ۱-۳)

خدا نے بذریعہ قرآن کلام کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق سے مغرب تک تمام دنیا کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ مکہ یا بیت اللہ حسن کا کمال ہے۔ کیونکہ وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کی وساطت سے خدا جلوہ گر ہوا۔ اور کمال درجہ کی قرآنی شریعت ظہور پذیر ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات صرف اور صرف بنی اسرائیل کے لئے تھیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کی تمام نسل انسانی کے لئے رسول ہیں۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۵۸)

(ج) سورۃ الحمد شریف

آخری زبور میں خداوند کی حمد کرنے کا حکم ہے۔ قرآن پاک کی پہلی سورۃ کا نام ہی الحمد ہے۔ ہر مسلمان اپنی دعاؤں، نمازوں، تلاوت، تقریر

اور گفتگو میں درجنوں بار اس سورۃ کو پڑھتا اور یوں ایک گونہ زبور کے حکم کی تعمیل کرتا ہے ۔

(د) قرآن ابدی شریعت

"پس میں ابدالآباد تیری شریعت کو مانتا رہوں گا ۔ اور میں آزادی سے چلوں گا ۔"

(زبور ۱۱۹ : ۴۴)

یہاں بھی قرآن پاک اور مسلمانوں کے اس پر عمل کرنے کا ذکر ہے ۔ کیونکہ مسیحی شریعت کو نہیں مانتے ۔ ان کے نزدیک تورات کی شریعت لعنت ہے ۔ (بائبل ۔ گلیتوں کے نام پولس کا خط باب ۳ درس ۱۳)

یہودی تورات کو قابل عمل مانتے تو ہیں ۔ لیکن ہیکل سلیمانی کی بربادی اور مسماری کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر سکتے ۔ ہیکل کے لئے یہودیوں کی حسرت مشہور امریکی جریدہ ٹائم کی زبانی مطالعہ فرمایئے :

"یروشلیم میں یہودیوں کی مقدس ترین جگہ نہیں رہی ۔ تباہ شدہ ہیکل (معبد ، مندر ، مسجد) کی جگہ تو ہے لیکن ہیکل نہیں ۔ کسی کو بھی ہیکل میں خیمہ اجتماع کا یقینی علم نہیں ہے ۔ پھر مشکل یہ بھی ہے ۔ کہ یہ (خیمہ اجتماع کا مخصوص مقام اتنا متبرک ہے ۔ کہ کوئی یہودی بھی ان قطعات میں قدم نہیں رکھے گا ۔ مبادا اس کا پاؤں اس مقام پر نہ پڑ جائے ۔

(TIME : 20.9.82 , P. 19) .

ان حالات میں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے ۔ کہ قرآن ہی ابدی

شریعت ہے ۔ ہر زمانہ ، وقت اور حالات میں اس کے احکام پہ ہی آزادی سے چلا بھی جا سکتا ہے ۔ تورات کی شریعت کا عارضی ہونا محتاج بیان نہیں ۔ اگر مسلمان یہ نکتہ یہودیوں کو نہیں سمجھا سکے ۔ تو ان کی کمزوری اور غفلت ہے ۔ اور اول الذکر دونوں قوموں کی بدقسمتی ۔

(۲) قرآن

"اے اونچے پہاڑو ! تم اس پہاڑ کو کیوں تاکتے ہو جسے خدا نے اپنی سکونت کے لئے پسند کیا ہے؟ بلکہ خداوند اس میں ابد تک رہے گا ۔"

(زبور ۶۸ : ۱۶)

"تمام سابقہ شرائع بالخصوص کوہ سینا یا طور پر ملنے والی شریعت ، تورات کے عارضی ہونے اور فاران سے عطا ہونے والی ابدی شریعت قرآن کا تذکرہ ہے ۔

(۳) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ رض

محمد کا تعارف

زبور ۷۲ کے تمام کے تمام مندرجات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ہیں ۔ تھوڑا سا ذکر پُر لطف رہے گا ۔

"بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے ۔ اور اس کے دشمن

خاک چاٹیں گے۔ ترسیس کے اور جزیروں کے بادشاہ نذریں گذاریں گے۔ سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔ بلکہ سب بادشاہ اس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔ کیونکہ وہ محتاج کو جب فریاد کرے اور غریب کو جس کا کوئی مددگار نہیں چھڑائے گا۔ وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائے گا۔ اور محتاجوں کی جان کو بچائے گا۔ وہ فدیہ دے کر ان کی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائیگا اور ان کا خون اس کی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔ وہ جیتے رہیں گے اور سبا کا سونا اس کو دیا جائے گا۔ لوگ برابر اس کے حق میں دعا کریں گے۔ وہ دن بھر اسے دعا دیں گے۔ زمین میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اناج کی افراط ہوگی۔ ان کا پھل لبنان کے درختوں کی طرح جھومے گا۔ اور شہر والے زمین کی گھاس کی مانند ہرے بھرے ہوں گے۔ اس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا۔"

یعنی یہ زبور در اصل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ایک روشن دلیل اور واضح پیش گوئی ہے۔ اسلام کی صداقت پر ایک عظیم الشان مہر اور ناقابل تردید نشان ہے۔ قیامت تک رہنے والی نبوت و شریعت محمدیہ ہے۔ اور صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی لوگ برکت پا سکتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران ہی عرب کے بیابان کے رہنے والے تمام دشمن آپؐ کے آگے سرنگوں ہو گئے تھے۔ شاہی تحائف وصول

کرنے کی عزت صرف آپؐ ہی کے حصے آئی تھی۔ دنیا کی بڑی بڑی اقوام آپؐ کے صحابہؓ کی مطیع ہوگئیں۔ اس کے حق میں دعا کرنے کا مطلب مسلمانوں کی طرف سے آپؐ پر بکثرت درود بھیجنا اور آپؐ کے ماننے والے نیک دل حکام کے لئے رعایا کا دعائے خیر کرنا ہے اسلامی سلطنت میں انصاف کا دور دورہ تھا۔ لوگ پیار و محبت سے مل جل کر امن چین سے رہتے تھے۔ خوش حالی عام تھی۔ قدیم تہذیبوں کے ایک ماہر پروفیسر ڈاکٹر چائلڈ اس دور کی شان میں رطب اللسان ہیں۔

"اسلام نے دنیا کی ایک کثیر آبادی کو اتحاد امن اور خوشحالی بخشی"

(WHAT HAPPENED IN HISTORY BY PROF. DR. V. GORDJW CHILDE 1950, P.281)

(ب) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت زبور ۶۸ میں مرقوم ہے،

"اے خدا تو نے خوب مینہ برسایا۔ تو نے اپنی خشک میراث کو تازگی بخشی۔ تیرے لوگ اس میں بسنے لگے۔ اے خدا تو نے اپنے فیض سے غریبوں کے لئے اسے تیار کر لیا۔ خداوند حکم دیتا ہے خوش خبری دینے والیاں فوج کی فوج ہیں۔ لشکروں کے بادشاہ بھاگتے ہیں۔ وہ بھاگ جاتے ہیں۔ اور عورت گھر میں بیٹھی بیٹھی لوٹ کا مال بانٹتی ہے۔
(۶۸: ۹ تا ۱۲)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کی نسل میں کوئی بھی نبی برپا نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر رحمت ایزدی کی بارش ہوئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خشک میراث کو تازگی بخشی گئی۔ اس سے آگے حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی فتوحات اور مال غنیمت بٹنے کی پیش گوئی ہے۔

ج آں حضرتؐ کی فتوحات

"اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی، علم اور صداقت کی خاطر اپنی شان و شوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو، اور تیرا دہنا ہاتھ تجھے عجیب کام دکھائے گا۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں۔ امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔"

(زبور ۴۵ : ۳ - ۹)

ان دروس میں موسیٰؑ مخاطب نہیں ہیں۔ ان کی ساری عمر تو صحرا نوردی کی نذر ہو گئی تھی۔ انہوں نے ان کے سامنے کیا زیر ہونا تھا۔ اور مسیحؑ سے بھی خطاب نہیں ہے۔ انجیل میں مسیحؑ کا حکم ہے:

"تلوار کو میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں۔ وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔"

(انجیل متی باب ۲۶ ورس ۵۲)

دراصل یہاں اسلام کے مسئلہ جہاد اور اسلامی فتوحات کی طرف اشارہ ہے ہونٹوں میں لطافت بھری ہونے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اخلاقی ہے۔ جسے قرآن میں خلقِ عظیم پکارا گیا ہے۔

(سورۃ القلم آیت ۴)

(۶) فتح مکہ

"میں ان دس ہزار آدمیوں سے نہیں ڈرنے کا جو گرداگرد میرے خلاف صف بستہ ہیں۔" (زبور ۳:۶)

فتح مکہ کے مبارک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دس ہزار صحابہ کرامؓ کا جرار لشکر تھا۔ مشرکینِ مکہ پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ انہوں نے لڑے بغیر ہار مان لی۔ چنانچہ جب اہلِ مکہ نے مقابلہ نہیں کرنا تھا۔ تو ظلم وستم اور انتقام کا خطرہ نہیں تھا۔ تو انہیں ڈر کاہے کا تھا۔

(۷) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور راہِ نجات

"تیری راہ زمین پر ظاہر ہو جائے اور تیری نجات سب قوموں پر"

(زبور ۶۷ : ۲)

یہودی نظریہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مزید مطالعہ فرمائیے:

"اہلِ یہود کا ایک عظیم نقص دیگر مذاہب والوں کے ساتھ ان کے سلوک میں پایا جاتا ہے۔ اہلِ یہود غیر اقوام کو ناپاک تصور کرتے تھے اور ان کے ساتھ اکل وشرب کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کے ساتھ کسی قسم کا راہ ورسم روا نہ رکھتے تھے۔"

چونکہ تورات میں اس سے متعلق کوئی حکم مندرج نہیں۔ لہٰذا اہلِ یہود اپنے قرب و جوار کی اقوام کے لئے اپنے آپ کو ذمہ دار نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کو نظر انداز کرتے اور ان سے بالکل بے پرواہ تھے۔ بلکہ ان کو خدائے واحد اور برحق کے متعلق لاعلم رہنے اور اپنی ضلالت اور گمراہی میں ہلاک ہونے دیتے تھے۔"

(کامل شریعت ترجمہ مسٹر الیف ڈی وارث بی اے منشی فاضل مطبوعہ ۱۹۴۷ء صفحات ۱۱-۱۳)

مسیح کا اپنا قول ہے:۔

"نجات یہودیوں میں سے ہے۔" (انجیل یوحنا ۴ : ۲۲)

سب قوموں کی نجات کی راہ تو صرف اسلام اور قرآن ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا پہ ظاہر کی۔ پیغامِ مسیح صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے تھا۔ فرشتہ آپ کی پیدائش سے پہلے خوش خبری دیتا ہے:۔

"وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔"

(انجیل متی ۱ : ۲۱)

مسیح نے تو امتِ اسرائیل ہی کی گلہ بانی کرنی تھی (انجیل متی ۲ : ۶)

(۳) عالم گیر نبوت

"اے خداوند! میں لوگوں میں تیرا شکر کروں گا۔ میں امتوں میں تیری مدح سرائی کروں گا۔" (زبور ۵۷ : ۹)

اس درس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ہے۔ جن کی نبوت عالم گیر ہے
موجودہ تورات میں یہودی عبادات کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ دیگر یہودی

کتابوں میں روزہ کا ذکر ضرور ہے لیکن بحیثیت عبادت اس کا بیان نہیں۔
روزہ کی کوئی خاص شکل ہیئت یا احکام۔ مہینہ ان کا کوئی تعین نہیں۔

(ل) (۴) اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(ا) تکالیفِ صحابہؓ — بلکہ ہم تو دن بھر تیری ہی خاطر جان سے مارے جاتے ہیں
اور گویا ذبح ہونے والی بھیڑیں سمجھے جاتے ہیں (زبور ۴۴: ۲۲)

اس درس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی راہِ خدا میں اٹھائی جانے والی تکالیف کی پیشگوئی ہے۔ یہاں یہودیوں کا ذکر بالکل نہیں ہے۔

پہلی دلیل۔ یہودی خدا تعالیٰ کیلئے نہیں مارے اور ستائے جاتے تھے۔ تورات میں لکھا ہے

"تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسفؑ کو نہیں جانتا تھا۔ اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں۔ سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں تا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں (بائبل خروج باب ۱ درس ۸-۱۰)"

دوسری دلیل۔ بابل کا بادشاہ بخت نصر جب یروشلیم کو برباد کر کے روتے پیٹتے اور چیختے چلاتے یہودیوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ تو اس نے وہاں پہنچ کر انہیں حکم دیا: "لوگو جو بھجن تم یروشلیم میں خدا کی تعریف میں گایا کرتے تھے وہ بھجن میرے لئے گاؤ"۔ اس پر انہوں نے جواب دیا "اگر ہم خدا کی راہ پر چلتے اور اس کی تعریفیں خلوص سے گاتے تو ہم تیرے قبضہ میں نہ دیئے جاتے"۔

THE TALMUD TRANSLATED BY PROF H. POL

ANO: 5636, P. 333)

اس پیشگوئی کا مصداق مسیحی بھی نہیں ہیں مسیحیوں کے اصل دشمن تو یہودی ہی تھے۔ اناجیل کے مطابق یہودیوں نے ہی رومی حاکم سے مسیح کو صلیب پر لٹکوایا تھا۔ بعد ازاں مسیح کے پیروکاروں کو ستانے والے بھی وہی تھے مسیح کے اولین پیروکار بھی انہیں میں سے تھے۔ اور مسیحی مبلغین یہودی اجتماعات سے ہی خطاب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ رومی حکومت مسیحیوں سے کچھ تعرض نہیں کرتی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ جب مسیحیت یہودیت سے علیحدہ مذہب بن کر ابھری تو صورت حال نازک ہو گئی۔ تاریخ کلیسیا کے مشہور امریکی محقق پروفیسر جارج پارک فشر ڈی ڈی ایل ایل ڈی لکھتے ہیں: ۔" پھر عبادت کے نظام میں مسیحیت کا کوئی مقام نہ رہا۔ اب یہ ایک غیر قانونی مذہب تھا۔ علاوہ ازیں تبدیلی مذاہب بھائی چارہ کی تنظیمیں اور بلا اجازت اجتماعات رومی قانون کے تحت جرائم تھے۔ عام لوگ اس لئے سخت دشمن تھے کہ وہ پرانے دیوتاؤں پر توہماتی اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم اپنی قربانیاں چھوڑ دیں گے تو ہمارے دیوتا بہت ناراض ہوں گے اور قحط اور وبا ایسی مصیبتیں ہم پر آئیں گی۔ وہ مسیحیوں کے طور طریقوں سے بھی نفرت کرتے تھے۔ مسیحیوں کے ملازمتوں اور بت پرستانہ عبادت اور بداخلاقی کے کاموں سے دور رہنے سے ان پر غیر سماجی ہونے کا الزام لگتا تھا۔ ان کی عبادت میں بتوں کی عدم موجودگی انہیں دہریت کے ملزم ٹھہراتی تھی مسیحیوں کی جنگِ مقدس اگرچہ پر امن تھی۔ دنیاوی روح کے خلاف ضرور تھی۔ ان کا سختی سے توبہ اور نئی زندگی حاصل کرنے کا مطالبہ بھی زہر بھری مخالفت ابھارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جہاں تک رومی حکمرانوں کے کلیسیا پر مظالم کا تعلق ہے۔ اس کی بنیاد مذہبی جذبہ یا ناروا داری نہیں تھی۔ پہلی صدی میں نیرو اور ڈومیشین کے مظالم کی بنیاد ذاتی بغض یا خود غرضانہ مفاد تھا۔ بعد میں بڑی وجہ سیاسی تھی۔ ایک ایسے مذہب کو دبانا جو

خلاف قانون اور گوناگوں اثرات کا حامل تھا۔ (HISTORY of THE CHRISTIAN CHURCH BY PROF. GEORGE PARK FISHE D.D, LLD 1888, PP. 30, 31)

اب صرف صحابہ کرامؓ ہی رہ جاتے ہیں۔ جو خالصتہً اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے ستائے اور بھیڑوں کی طرح ذبح کئے جاتے تھے۔

(ب) صحابہؓ کا شوق شہادت

زبور ۱۱۰ کے درس ۳ میں صحابہ کرامؓ کی شان ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :۔ "لشکر کشی کے دن تیرے لوگ خوشی سے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں"۔

شائقین یہودیوں کی بزدلی کا تفصیلی حال بائبل کی کتاب گنتی کے ابواب ۱۳، ۱۴ میں مطالعہ فرمائیں۔ دیگ میں سے دانہ چکھیں :۔ "اور ہم نے وہاں بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی نگاہ میں ایسے ہی تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں! اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے"! (گنتی ۱۳ : ۳۳)

"یہ وہی واقعہ ہے جب بزبان قرآن یہودیوں نے کہا۔ اے موسیٰ ہم کبھی بھی وہاں داخل نہیں ہوں گے۔ جب تک وہ اس میں ہیں۔ سو تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"۔ (سورۃ المائدۃ ترجمہ آیت ۲۴)

(ج) فتوحات صحابہ کرامؓ

"تو نے قوموں کو اپنے ہاتھ سے نکال دیا اور ان کو بسایا۔ تو نے امتوں کو تباہ کیا اور ان کو چاروں طرف پھیلایا۔ کیونکہ نہ تو یہ اپنی تلوار سے اس ملک پر قابض ہوئے اور نہ ان کے بازو نے ان کو بچایا۔ بلکہ تیرے دہنے ہاتھ اور تیرے بازو اور تیرے چہرے کے نور نے

ان کو فتح بخشی کیونکہ تو ان سے خوشنود تھا" (زبور ۴۴ : ۲، ۳)

یہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ کی فتوحات کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیلیوں کی فتح کنعان کا نہیں۔ اسرائیلی تمام کنعانی قوموں کو ختم نہیں کر سکے۔ فلسطین کے کئی علاقوں پہ قدیم اقوام ہی قابض رہیں۔ جیسا کہ لکھا ہے:

"انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا۔ جیسا خداوند نے ان کو حکم دیا تھا۔ بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے۔ اور ان کے سے کام سیکھ گئے۔ اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے۔ جو ان کے لئے پھندا بن گئے۔ (زبور ۱۰۶ : ۳۴ - ۳۶)

نیز خدا ان سے خوشنود نہیں تھا۔ تورات میں فرمانِ خداوندی ہے:

"اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے سے نکال چکے تو تُو اپنے دل میں یہ نہ کہنا۔ کہ میری صداقت کے سبب سے خداوند مجھے اس ملک پر قبضہ کرنے کو یہاں لایا۔ کیونکہ فی الواقع ان کی شرارت کے سبب سے خداوند ان قوموں کو تیرے آگے سے نکالتا ہے۔ غرض تو سمجھ لے کہ خداوند تیرا خدا تیری صداقت کے سبب سے یہ اچھا ملک تجھے قبضہ کرنے کے لئے نہیں دے رہا ہے۔ کیونکہ تو ایک گردن کش قوم ہے۔"

(بائبل کی کتاب استثنا باب ۹ درس ۴، ۶)

المجید ۸۴